امام خمینیؒ اور وحدتِ اسلامی

قسط سوم

از: عائشہ اقبال احمد - بمبئی

گزشتہ سے پیوستہ

وحدتِ ملّتِ اسلامیہ

شاعرِ مشرق علامہ اقبال نے ایک بار اپنے ایک مضمون میں لکھا تھا:

"نبوت محمدیہ کی غایت یہی ہے کہ نوعِ انسان کی اقوام کو باوجود شعوب و قبائل اور الوان والسنہ کے اختلافات کو تسلیم کر لینے کے، ان کو ان تمام آلودگیوں سے منزہ کیا جائے جو زمان و مکان، وطن، نسل و نسب، قوم و ملک وغیرہ کے ناموں سے موسوم کی جاتی ہیں۔ اور اس طرح اس پیکرِ خاکی کو وہ ملکوتی تخیل عطا کیا جائے جو اپنے وقت کے ہر لحظے میں ابدیت سے ہمکنار رہتا ہے یہ ہے مقامِ محمدی، یہ ہے نصب العین ملت اسلامیہ کا"

(نقوش لاہور اقبال نمبر)

اقبالؔ کے نزدیک نہ صرف اسلامی ممالک بلکہ ساری دنیا کی فلاح اس بات میں مضمر تھی کہ مغرب کے تصورِ وطنیت و قومیت اور لادینی نظامِ سیاست کو ترک کر کے ایک ایسی ہیئتِ اجتماعیہ کو اپنایا جائے جو ہر قسم کے امتیازات سے بالا ہو کر فلاحِ انسانیت کی ضامن ہے۔ اور جس کو نام عرفِ عام میں ملّتِ اسلامیہ ہے۔

میں جب کبھی افکارِ اقبال کا مطالعہ کرتی تو سوچتی تھی کہ اقبال کے نزدیک ملّتِ اسلامیہ سے کیا مراد ہو سکتی ہے۔ میرے اس سوال کا جواب کتابِ حکیم میں جہاں جہاں بار بار اس بات کی تلقین کی گئی ہے کہ انسان کا مقصودِ حیات یہی ہے کہ وہ زندگی کے مختلف تضاد کو رفع دفع کرتے ہوئے مسلسل اس وحدت کی طرف قدم بڑھائے جو مصدرِ حیات و کائنات ہے۔ تمام ہستی اپنی کثرتِ تنوع کے باوجود ایک وحدت سے سرزد ہوئی ہے جو کثرتِ موجودات اور ظاہری تنوع کی شیرازہ بند ہے۔ کائنات کی اسی شیرازہ بندی کرنے والوں کو اقبال نے ملّتِ اسلامیہ کا جز کہا ہے۔

عام انسانوں پر اور بالخصوص ملّتِ اسلامیہ پر رحمۃ للعالمین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بڑا کرم یہ کیا کہ ملکوں، قوموں اور قبائل میں بٹی ہوئی انسانیت کو "وحدتِ آدمیت" کا سبق دیا۔ رنگ و نسل اور مختلف گروہوں میں بٹی ہوئی انسانیت کو اخوت کا ایسا پیغام دیا کہ جس کو اپنا لینے کے بعد دنیا امن و چین اور ہمدردی کا گہوارہ بن جاتی ہے۔ اس ترقی یافتہ دور میں گو اقوامِ متحدہ بزعمِ خود قوموں کے اتحاد کی نشان دہی کرتا ہے لیکن وحدتِ انسانی کا نظریہ رحمتِ محمدیؐ کا وہ عطیہ ہے جس سے پوری نسلِ انسانی جسدِ واحد میں بدل جاتی ہے۔

اسلامی تعلیمات انسان پر یوں اثر انداز ہوتی ہیں کہ وہ ایک تنہا فرد نہیں رہ جاتا بلکہ ایک اجتماعی ہیئت کا حصہ بن جاتا ہے اور اسی اجتماع میں زندگی بسر کرتا ہے۔ اسلام ہی اس کے رجحانات، صفات اور افراد کے ایک دوسرے کے ساتھ باہمی تعلقات کی حد بندی کرتا ہے اور ایسے قوانین صادر کرتا ہے جس میں فرد کی مصلحت اور جماعت کی مصلحت پورے اعتدال و توازن کے ساتھ جمع ہو جاتی ہیں۔ — اور جب ایسا ایک معاشرہ وجود میں آجاتا ہے تو وہ ملّتِ اسلامیہ کہلانے کا حقدار ہو جاتا ہے۔

جس وقت امام خمینیؒ نے عالمِ اسلام پر پہلی ناقدانہ نگاہ ڈالی تو انھوں نے محسوس کیا کہ ملّتِ اسلامیہ کا "جسدِ واحد" غاصبانہ قوتوں کی یلغار میں اپنے مختلف اعضاء کو مربوط و منظم صورت میں باقی نہیں رکھ سکا ہے۔ عربی عضو امریکہ کا حلیف تھا تو عراقی و مصری اعضاء اسرائیلی ایجنٹ بن بیٹھے تھے۔ یمنی عضو اشتراکیت کے شکار تھے تو الجزائری و افغانی اعضاء اپنی بقاء کی جدوجہد میں مصروف تھے۔ اس صورتِ حال میں ایک ایسی سیاسی ہیئتِ اجتماعیہ کا وجود کیونکر عمل میں لایا جا سکتا تھا جو کہ زندگی کی وحدت کا سامنا کر سکے۔ یہ ایک بہت بڑا مسئلہ تھا جو امام خمینیؒ کے

سامنے اژدھے کی مانند منہ کھولے کھڑا تھا۔

سیاسی وحدت

اسلام میں خلافتِ راشدہ کے بعد سے اب تک ایک بھی متحدہ اسلامی ریاست قائم نہیں ہو سکی ہے اور نہ اس کی کوئی امید ہی کی جا سکتی ہے۔ البتہ اتحادِ اسلامی کا تخیل اس معنی میں ضرور عملی جامہ پہن سکتا ہے کہ تمام اقوام آزاد ہوں اور وہ اسلامی مسائل پر باہم ایک دوسرے سے تعاون کریں۔ یہ حکومتیں ظاہراً ایک قسم کی اسلامی قومی حکومتیں ہوں گی مگر ان قومی حکومتوں کے درمیان ایک قدرِ مشترک بیک وقت اساسی کردار نبھائے گی۔ اور وہ ہو گی "وحدتِ اسلامی"۔ چنانچہ امام عالی جناب خمینیؒ نے اسی خطِ عمل کو اپنایا۔ اسلامی انقلاب ایران کے بعد امام خمینیؒ کو دعوت اتحاد بین المسلمین کے ابلاغ کے لئے ایک مضبوط ترین سیاسی پلیٹ فارم مہیا ہو چکا تھا۔ جس طرح ہجرت کے بعد قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں نے مدینۂ منورہ کو تمام اسلامی سرگرمیوں کا مرکز بنا لیا تھا، بعینہٖ اسی سنت پر عمل کرتے ہوئے امام خمینیؒ نے تہران کو دنیا بھر کے مظلوم و بے کس مسلمانوں کے لئے قبلۂ امید بنانے کی مہم تیز تر کر دی اور دنیا بھر کے اسلامی اقوام کو مغرب کی استعماریت کے خلاف تہرانی مرکز کی دعوت پر لبیک کہنے کی اپیل کی۔ وحدتِ ملتِ اسلامیہ کی جانب یہ امام خمینیؒ کا دوسرا بڑا قدم تھا۔

"تنہا قدس ہی مسلمانوں کا مسئلہ نہیں ہے۔ بلکہ منجملہ مسائل کے ایک یہ بھی ہے۔ کیا افغانستان کا مسئلہ مسلمانوں کا مسئلہ نہیں ہے؟ کیا ترکیہ مسلمانوں کے مشکلات میں شامل نہیں؟ کیا مصر کا مسئلہ مسلمانوں کے مسائل میں سے نہیں؟ کیا عراق کا مسئلہ مسلمانوں کا مسئلہ نہیں؟ ہمارا فریضہ یہ ہے کہ ہم ان بنیادی اسباب کو تلاش کریں جن کی وجہ سے یہ اسلامی ممالک مشکلات کا شکار ہیں۔ آخر یہ مشکلات کہاں سے پیدا ہوئیں؟ مسلمان ہر جگہ کیوں حکومتوں اور بڑی طاقتوں کے دباؤ میں ہیں؟"

(قدس کانفرنس میں شریک ہونے والوں سے امام خمینیؒ کا خطاب)

> یہ پیشین گوئی تو سردارِ دوجہاں آقائے نامدار حضرت محمدؐ نے آج سے ۱۴۰۰ سال پیشتر ہی کر دی تھی کہ اس گھر کے پاسبان ہی جب بے حرمتی پر اتر آئیں گے تو رسی میں ڈھیل دی جائے گی اور انہیں اپنے نامۂ اعمال پر مزید کالک پوتنے کا موقع دیا جائے گا البتہ امامتِ عالم کے منصب کے وہ اہل نہیں رہ جائیں گے۔

وحدتِ اسلامی اور عرب حکمراں

میں پہلے بھی بیان کر چکی ہوں کہ امام خمینیؒ کو عام مسلمانوں کی ذات پر مکمل بھروسہ تھا۔ انھیں اگر شکایت تھی تو کٹھ پتلی حکمرانوں سے جنھوں نے ملتِ اسلامیہ کے افراد پر قبضہ جمایا ہوا تھا۔ چنانچہ قدس کانفرنس میں شریک ہونے والوں سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے صاف صاف کہا تھا:

"اسلامی حکومتوں کو اسلام سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اگر یہ کبھی اسلام کے بارے میں بات کریں تو صرف عوام کو دھوکہ دینا مقصود ہے۔ صدام اور رضا کے اسلام میں کوئی فرق نہیں سادات کا اسلام بھی ویسا ہی ہے۔ یہ اسلام امریکہ سے یا روس سے لایا گیا ہے لیکن جب تک ہم حقیقی اسلام کی طرف رجوع نہیں کریں گے، ہمارے مسائل اپنی جگہ باقی رہیں گے۔ اس لئے عوام کا فریضہ ہے کہ پہلے اسلام کی طرف رجوع کریں۔ اب اگر حکومتیں بھی اسلام کی طرف پلٹ آتی ہیں تو کیا کہنا اور اگر نہیں پلٹتیں تو عوام کو ان سے الگ ہو جانا چاہیئے۔"

ممالک عربیہ کی بے حسی اور بے راہ روی آج کسی صاحبِ نظر سے پوشیدہ نہیں۔ اللہ کے مقدس نبیؐ کا قبلۂ اول (مسجد اقصیٰ) تاخت و تاراج ہو تا رہا لیکن نہ کوئی غیبی مدد آئی نہ ہی ابابیل کی کوئی فوج اتری۔ مقدس خانۂ کعبہ کی بے حرمتی ہوئی لیکن عالم عرب کے کانوں پر جوں تک بھی نہیں رینگی اور نہ ان کی آنکھیں کھلیں۔ در اصل یہ پیشین گوئی تو سردارِ دوجہاں آقائے نامدار حضرت محمدؐ نے آج سے ۱۴۰۰ سال پیشتر ہی کر دی تھی کہ اس گھر کے پاسبان ہی جب بے حرمتی پر اتر آئیں گے تو رسی میں ڈھیل دی جائے گی اور انھیں اپنے نامۂ اعمال پر مزید کالک پوتنے کا موقع دیا جائے گا البتہ امامتِ عالم کے منصب کے وہ اہل نہیں رہ جائیں گے۔

"حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ وہ شخص (کعبہ کی بے حرمتی کرنے والا) رکن (حجرِ اسود) اور مقام (مقامِ ابراہیم) کے درمیان بیعت لے گا اور اس گھر (کعبہ) کی بے حرمتی اس کے گھر والوں کے سوا کوئی نہیں کر سکے گا۔ پھر جب اس کی بے حرمتی ہو جائے تو یہ مت پوچھنا اب عرب کب ہلاک ہوں گے۔"

(ازرقی، بیہقی، حاکم)

ایک اور حدیث مبارک میں ارشاد ہے:

"حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ سے جو سچوں کے سلطم سچے تھے سنا کہ آپ نے فرمایا — میری امت قریش کے سر پھرے نوجوانوں کے ہاتھوں ہلاک ہو گی۔"

ذلّت کے اس دور کو ہم آج عذابِ خداوندی سے تعبیر کرتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جب خدا کا عذاب نازل ہوتا ہے تو قومیں صفحۂ ہستی سے مٹادی جاتی ہیں۔ یہ حالات تو خدائی عذاب کا ہراول دستہ ہیں۔ آنحضرت محمدؐ کے پردہ فرمانے کے بعد اُمّتِ محمدی کو دنیا کے بگاڑ کو دور کرنے کا کام انجام دینا تھا لیکن کیا موجودہ حالت زار میں یہ اُمّت اس کام کے اہل رہ گئی؟

تو پھر قانونِ الٰہی کے نفاذ کا کام کون سنبھالے؟

تمام کڑیوں کو یکجا کیا جائے تو ایک ہی بات سمجھ میں آتی ہے۔ وہ یہ کہ امامتِ عالم کے مستحق قوم کی صورت میں عربوں کے دن ختم ہوئے۔ اب ایک نئی قوم کو یہ زمام اپنے ہاتھوں میں سنبھالنی ہے کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد وعید ہے۔

"سو تم میں سے بعض وہ ہیں جو بخل کرتے ہیں۔ حالانکہ تم کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے بلایا جاتا ہے۔ اور جو کوئی بخل کرتا ہے اپنے نفس سے بخل کرتا ہے۔ اور اللہ کسی کا محتاج نہیں۔ بلکہ تم سب اس کے محتاج ہو۔ اور اگر تم پیٹھ پھیر دو گے تو اللہ تمہاری جگہ دوسری قوم لے آئے گا۔ پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔"

(سورۂ محمدؐ۔ آیت ۳۸)

بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ تعجب تو عربوں کے تجاہل پر ہے جو ان کھلی کھلی بشارت کو سمجھنے سے عاجز ہو چکے ہیں۔ وہ زمانہ دور نہیں جب امانت کا بار عربوں سے چھین لیا جائے گا۔

تو پھر وہ کون سی قوم ہے جو عربوں کی جگہ نیابتِ رسولؐ کا کام انجام دے سکے؟ ایک بار پھر حدیث نبی کریمؐ رہنمائی فرماتی ہے:

"حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے سورۂ محمدؐ کی مندرجہ بالا آیت تلاوت فرمائیں تو صحابہ نے عرض کیا آخر وہ کون لوگ ہوں گے جو اس وقت ہماری جگہ لینے آئیں گے۔ تب حضورؐ نے حضرت سلمان فارسیؓ کے کندھوں پر تھپکی دیتے ہوئے فرمایا: یہ ہے وہ اور اس کی قوم ہے وہ۔ اور قسم ہے اس خدا کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر ایمان ثریا پر چلا جائے گا تو فارس کے یہ لوگ وہاں تک اسے ڈھونڈتے ہوئے چلے جائیں گے۔"

(ترمذی۔ بیہقی۔ ابن جریر۔ طبرانی)

نیابتِ رسولؐ کا بارِ عظیم اٹھانے کے لئے تبدیلیٔ قوم کی جو وعید حق شانہٗ اور اس کے محبوب حضرت محمدؐ نے فرمائی تھی، امام خمینیؒ اس سلسلہ کی پہلی کڑی ثابت ہوئے ہیں۔ اور عرب حکمراں خدا کے ذریعہ دی گئی مہلت میں سنبھلنے کی بجائے اپنے چہروں پر مزید کالک لگانے میں مصروف ہیں۔ چنانچہ امام خمینیؒ کی ہر دعوت اتحاد کو تمسخر اور استہزاء کے ساتھ نظر انداز کر دینا ان کا شیوہ بن چکا ہے۔

دورِ حاضر میں سب سے باجبروت عسکری طاقت امریکہ ہے۔ لیکن اسے بھی نہایت بے خوفی کے ساتھ امام خمینیؒ نے علی الاعلان شیطانِ اکبر کے لقب سے نوازا تھا۔ وہ بار بار مسلمانوں کو اس شیطانِ اکبر سے بچنے اور ڈٹ کر اس کا مقابلہ کرنے کی عملی تلقین کرتے رہے۔ لیکن عرب کی نام نہاد اسلامی حکومتیں اپنے گلوں میں امریکہ اور اس کے ایجنٹوں کی استعماری طاقتوں کا طوقِ غلامی پہنے عیش کوشی میں مصروف رہیں۔ حتیٰ کہ خدا کا یہ نیک بندہ دل کی عمیق گہرائیوں سے چیخ اٹھا:

"جاگو اور خدا کے لئے اٹھو۔ اللہ کے لئے جمود و سکوت نہ کرو! خدا کے لئے آپس میں جھگڑا مت کرو۔ کوئی شخص تم میں سے یہ قبول نہ کرے کہ خارجی سازش اسی کے خلاف کی گئی ہے۔ سازش متحدہ جبہہ ہے۔ سازش کرنے والے اشخاص کو اہمیت نہیں دیتے۔ سازش تو در اصل اسلام کے خلاف ہے۔ سب سے اہم اسلام ہے اور امریکہ اسلام کے خلاف ہے۔"

(عالمی یومِ قدس کے موقع پر امام خمینیؒ کا پیام۔ ۱۶ر جولائی ۱۹۸۱)

(باقی آئندہ)

"تم میں سے بعض وہ ہیں جو بخل کرتے ہیں۔ حالانکہ تم کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے بلایا جاتا ہے۔ اور جو کوئی بخل کرتا ہے وہ اپنے نفس سے بخل کرتا ہے۔ اور اللہ کسی کا محتاج نہیں۔ بلکہ تم سب اس کے محتاج ہو۔ اور اگر تم پیٹھ پھیر دو گے تو اللہ تمہاری جگہ دوسری قوم لے آئے گا۔ پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔"